اختیار کرے گا تب ہی یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ نتیجہ رونما ہو۔

کیا تجارتی قرضوں پر سُود جائز ہے ؟

سوال ۔ (۱) خاکسار نے جناب کی تصنیف "سود" کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں چند سوالات پیدا ہوئے ہیں اور گو میں نے کافی کاوش کی ہے تاہم ان کا تسلی بخش جواب کہیں سے نہیں مل سکا۔ اس لیے اب آپ کو تکلیف دینے کی جرأت کرتا ہوں اور امید ہے کہ آپ ازراہِ کرم میری رہنمائی فرمائیں گے۔

(i) جناب نے اپنی کتاب کے حصہ اول (طبع سوم) کے صفحہ ۳۵ پر زمانہ جاہلیت کے "ربوٰ" کی جو مثالیں دی ہیں ان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ آیا اُس وقت کے لوگ تجارت کے لیے قرض لیتے تھے یا نہیں۔ جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں، کم از کم یورپ میں، قرض لے کر تجارت کرنا بہت بعد میں رواج میں آیا، اس سے پہلے تجارت نجی سرمایہ سے یا مضاربت کے ذریعہ ہوتی تھی۔ کیا جناب کسی ایسی مستند کتاب کا حوالہ عنایت فرمائیں گے جس سے معلوم ہو سکے کہ عرب میں تجارتی سود کا اس وقت رواج تھا کہ نہیں۔

(ii) اسی حصہ کے صفحہ ۹۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ربوا الفضل کی احادیث، تحریم سود کی آیتِ قرآنی (سورہ بقرہ) کے نزول سے پہلے کی ہیں۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہوگا کہ ربوا الفضل قرآنی حرمت اور قرآنی وعید کا حامل نہیں؟ یا بالفاظ سر سید احمد خاں صاحب "درحقیقت یہ معاملہ بیع فاسد کا ہے۔ اور معنی ربوا کی تفسیر میں داخل نہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے"؟

امید ہے جناب والا میرے سوالات کا جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں گے۔

جواب ۔ یہ بات کسی کتاب میں اس صراحت کے ساتھ تو نہیں لکھی گئی ہے کہ عرب جاہلیت میں "تجارتی سود" رائج تھا، لیکن اس امر کا ذکر ضرور ملتا ہے کہ مدینہ کے زراعت پیشہ لوگ یہودی سرمایہ داروں سے سود پر قرض لیا کرتے تھے، اور خود یہودیوں میں باہم بھی سودی لین دین ہوتا تھا۔ نیز قریش کے لوگ، جو زیادہ تر تجارت پیشہ تھے، باہم سود پر قرض لیتے دیتے تھے۔ قرض کی ضرورت لازماً صرف نادار آدمیوں ہی کو اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے کے لیے پیش نہیں آتی، بلکہ زراعت پیشہ افراد کو اپنے زرعی کاموں کے لیے اور سوداگر لوگوں کو اپنے

کاروبار کے لیے بھی پیش آتی ہے، اور یہ آج کوئی نئی صورت نہیں ہے بلکہ قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔ اسی چیز نے رفتہ رفتہ ترقی کرکے وہ شکل اختیار کی ہے جو زمانہ جدید میں پائی جاتی ہے۔ قدیم صورت انفرادی لین دین تک محدود تھی، جدید صورت میں فرق صرف یہ ہوگیا کہ بڑے پیمانے پر قرض سے سرمایہ اکٹھا کرلینے اور اسے کاروبار میں لگانے کا طریقہ رائج ہوگیا۔

ربٰو الفضل کی احادیث سورۂ بقرہ والی آیاتِ حرمتِ سود سے تو پہلے کی ہیں اگر سورۂ آل عمران والی آیت کے بعد کی ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت نے قرآن کا یہ منشا واضح کردیا تھا کہ سود ایک برائی ہے جس کو بالآخر مٹانا پیش نظر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے لیے ماحول تیار کرنے کی خاطر معاشی معاملات میں وہ اصلاحات فرمائی تھیں جن کے لیے ربٰو الفضل کا عنوان تجویز کیا گیا ہے۔ ان احادیث میں صاف طور پر لفظ ربٰو استعمال ہوا ہے اور ممانعت کے الفاظ خود اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ قرآن میں جس سود کی حرمت کا حکم دیا گیا ہے وہ قرض والا سود ہے نہ کہ دست بدست لین دین والا سود۔ اور فقہا نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ ربٰو الفضل بعینہٖ وہ ربٰو نہیں ہے جو قرآن میں حرام کیا گیا ہے، بلکہ یہ دراصل سود کا سدِّباب کرنے کے لیے ایک پیش بندی ہے جسے فقہی اصطلاح میں "سدِّ باب ذریعہ" کہا جاتا ہے۔

سوال (۲) جناب نے جس تفصیل سے میرے سوالات کا جواب عنایت فرمایا ہے اس سے میری اس قدر حوصلہ افزائی ہوئی ہے کہ میں جناب کو دوبارہ تکلیف دینے کی جرأت کر رہا ہوں۔

قرآن کریم میں جس قدر سخت وعید ربٰوا کے متعلق آئے ہیں شاید کسی اور گناہ کے لیے نہیں آئے۔ اس لیے میرے خیال ناقص میں علمائے کرام کو چاہیے کہ اس مسئلے میں قیاس سے کام نہ لیں اور جب تک سود کی کسی قسم کے متعلق ان کو یقین نہ ہوجائے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اُس قسم کا سود عام طور پر لوگوں میں متداول تھا اُس کو "الربٰوا" کی تعریف میں شامل نہ کریں۔ جناب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا نے تجارتی سود کے رواج کی موجودگی کا قیاس مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر فرمایا ہے:-

(۱) مدینہ کے زراعت پیشہ لوگ یہودی سرمایہ داروں سے سود پر قرض لیا کرتے تھے۔ میں باادب عرض کروں گا کہ ایسے قرض "تجارتی قرض" نہ کہلانے چاہییں۔ اس قسم کے قرض نادار اور حاجت مند لوگ لیا کرتے ہیں۔ زراعت

کے لیے "تجارتی قرض" زمانہ جدید کی ایجاد ہے۔ جب سے بڑے بڑے پیمانے پر زراعت اور اس کے لیے مشینری کا استعمال شروع ہوا زمینداروں کو "تجارتی قرض" لینے کی ضرورت ہوئی۔ زمانہ قدیم کے زراعت پیشہ لوگوں کے قرض مجبوری کے قرض ہوا کرتے تھے۔ اور ضروریات زندگی پورا کرنے کی غرض سے لیے جاتے تھے۔

(ii) خود یہودیوں میں باہم بھی سودی لین دین ہوتا تھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے قرض تجارتی کاموں کے لیے ہوتے تھے۔ عرب کے یہود اکثر زراعت پیشہ تھے یا ساہوکار۔ جیسا کہ یورپ میں عرصہ تک ہوتا رہا ممکن ہے کہ عرب کے یہودی ساہوکار بھی غریب اور امیر دونوں قسم کے حاجت مندوں کو ان کی نجی ضروریات کے لیے روپیہ قرض دے کر اپنا کام چلاتے رہے ہوں۔

(iii) قریش کے لوگ جو زیادہ تر تجارت پیشہ تھے باہم سود پر قرض لیتے دیتے تھے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ قریش میں سود کی جو مثالیں میری نظر سے گذری ہیں ان سے اس بات کی وضاحت نہیں ہوتی کہ متعلقہ روپیہ تجارت کے لیے قرض لیا گیا تھا۔ اگر جناب کے مطالعہ میں کوئی ایسی مثال آئی ہو تو مہربانی فرما کر مطلع فرما دیں۔ تجارت ان دنوں یا نجی سرمایہ سے یا مضاربت سے ہوتی تھی۔ جو تجارتی "کاروان" قریش بھیجتے تھے ان میں سب لوگ حصہ لے سکتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دینار اور نصف دینار تک بھی حصہ لیا جا سکتا تھا۔ بظاہر اس طریقے کی تجارت کے لیے روپیہ قرض لینے کی حاجت نہ ہونی چاہیے۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں تجارتی سود یورپ میں بہت بعد میں آیا اور پانچویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان اس کا وہاں رواج نہ تھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عرب کی بھی یہی حالت ہو۔ لیکن بہ قرینہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عرب میں تجارتی سود کے رواج کی موجودگی کو ماننے سے پہلے اس کے متعلق تحقیق کر لی جاوے۔ عربی اور دیگر مورخوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے حالات کافی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ تجارتی سود کے متعلق ان کی خاموشی سے کیا یہ گمان نہ ہوگا کہ ایسے سود کا ان دنوں رواج ہی نہ تھا؟ خاص طور پر جب کہ تجارت کا طریق کار ہی ایسا تھا کہ اس میں ہر پیسے والا شامل ہو سکتا تھا۔

جناب کی نظر سے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا سورۂ بقرہ کی آیات ۲۷۶ و ۲۷۷ کا ترجمہ گذر چکا ہوگا۔ انہوں نے "الربوٰا" سے وہ سود مراد لیا ہے جو کسی حاجت مند سے لیا جاوے۔ کیا علمائے کرام اور مفسرین عظام

میں سے کسی اور نے بھی یہ معنے کیے ہیں؟ اگر ان معنوں سے اور بزرگان دین کو اتفاق ہو تو ایک بہت بڑے اور اہم مسئلے کا حل مل جائے گا۔

جواب۔ مجھے آپ کے اس خیال سے اتفاق ہے کہ جس چیز کی حرمت کی تصریح قرآن میں نہ کی گئی ہو اس کو بعینہ اس چیز کے درجے میں نہ رکھنا چاہیے جس کے حرام ہونے کی صراحت قرآن میں کی گئی ہے۔ لیکن ربوا کے معاملہ پر اس قاعدے کا انطباق آپ جس طرح کر رہے ہیں وہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ آپ کے استدلال کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ ربوا سے مراد لازماً معاملہ قرض کی وہی صورت لی جانی چاہیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھی۔ دوسرے یہ کہ تجارتی سود کا رواج چونکہ اُس زمانے میں نہ تھا اور صرف نادار حاجت مند لوگ ہی سود پر قرض لیا کرتے تھے اس لیے صرف دوسری چیز ہی قرآنی حکم تحریم کی زد میں آتی ہے اور پہلی چیز اس سے خارج رہتی ہے۔ یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔

پہلی بات اس لیے غلط ہے کہ قرآن صرف اُن معاملات کا حکم بیان کرنے نہیں آیا تھا جو نزول قرآن کے وقت عرب یا دنیا میں رائج تھے، بلکہ وہ اصول بیان کرنے آیا تھا جو قیامت تک پیش آنے والے معاملات میں جائز وناجائز اور صحیح وغلط کا فرق ظاہر کریں۔ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو پھر قرآن کے ابدی اور عالم گیر رہنما ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ نیز اس صورت میں معاملہ صرف ایک ربوا کا نہیں رہتا۔ ایک شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ قرآن جس شراب کو حرام قرار دیتا ہے اس سے مراد صرف اس قسم کی شرابیں ہیں جو اُس وقت عرب میں بنا کرتی تھیں۔ قرآن جس سرقے کو حرام ٹھیرا رہا ہے اس سے مراد صرف اس طریقے یا اُن طریقوں سے سرقہ کرنا ہے جو اُس وقت استعمال ہوتے تھے۔ حالانکہ اصل چیز شراب اور سرقے کی حقیقت ہے جو ممنوع کی گئی ہے نہ کہ اس کی رائج الوقت قسمیں اور صورتیں۔ اسی طرح اصل چیز ربوا کی حقیقت ہے جو حرام کی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ معاملۂ قرض میں دائن مدیون سے اصل پر کچھ زائد وصول کرنے کی شرط کرے۔ یہ حقیقت جس معاملۂ قرض میں بھی پائی جائے گی اُس پر قرآن کے حکم تحریم کا اطلاق ہو جائے گا۔ قرآن نے مطلق ربوا کو حرام کیا ہے اور کہیں یہ نہیں کہا کہ جو شخص ناداری و حاجت مندی کی حالت میں اپنی ضروریاتِ شخصی کی خاطر قرض لے صرف اس سے سود لینا حرام ہے۔

دوسری بات اس لیے غلط ہے کہ اول تو تجارتی سود کی صرف یہ شکل جدید ہے کہ تجارت کے لیے ابتدائی سرمایہ ہی قرض کے ذریعہ اکٹھا کیا جائے ، ورنہ تجارتی کاروبار کے دوران میں تاجروں کا ایک دوسرے سے قرض لینا یا ساہوکاروں سے قرض لے کر کسی کاروباری ضرورت کو پورا کرنا تو قدیم ترین زمانے سے دنیا بھر میں رائج ہے اور اس کے جدید ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے ۔ دوسرے ، شخصی حاجتوں کے لیے غیر تجارتی قرض لینے کی بھی صرف یہی ایک صورت نہیں ہے کہ آدمی بیماری میں دوا کا محتاج ہو یا مفلسی کی حالت میں گھر کے لیے آٹا دال فراہم کرنا چاہتا ہو اور اس کے لیے کسی مال دار سے قرض لے ۔ اس کے علاوہ بہت سی صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں بالکل نادار نہ ہونے کے باوجود آدمی قرض لے کر اپنی کوئی ذاتی ضرورت پوری کرتا ہے ۔ مثلاً بچوں کی شادیاں کرنا ، یا گھر بنانا ۔ ایسے قرض بھی ہر زمانے میں لیے جاتے رہے ہیں ۔ آپ قرض کی ان بہت سی مختلف صورتوں میں سے کس کس کو تحریم ربوا کے حکم سے خارج اور کس کس کو داخل کریں گے ، اس کے لیے کیا اصول مقرر کریں گے ، اور قرآن کے کن الفاظ سے یہ اصول نکالیں گے ؟

زمانہ جاہلیت یا ابتدائی زمانہ اسلام کے کاروباری رواج میں تجارتی سود اور غیر تجارتی سود کی تفصیل نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں اس تفریق و امتیاز کا تصور پیدا نہ ہوا تھا اور یہ اصطلاحیں نہیں بنی تھیں ۔ اُس زمانے کے لوگوں کی نگاہ میں قرض ، ہر طرح کا ، قرض ہی تھا ، خواہ نادار لے یا مال دار ، خواہ ذاتی ضروریات کے لیے لے یا کاروباری ضروریات کے لیے ۔ اس لیے وہ صرف معاملہ قرض اور اس پر سود کے لین دین کا ذکر کرتے اور اس کی ان تفصیلات میں نہیں جاتے ۔

مولانا آزاد کا صحیح منشا وہ نہیں ہے جو آپ نے سمجھا ہے ۔ وہ اپنی تشریحی عبارتوں میں صرف یہ دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ سود دینی اخلاقی حیثیت سے کیا قباحت ہے ۔ لیکن ان کا منشا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سود سے مراد ہی صرف وہ سود ہے جو کسی حاجت مند کو ذاتی ضروریات کے لیے قرض دے کر وصول کیا جائے ۔

مولانا موصوف کی تشریح سے جو مفہوم آپ اخذ کر رہے ہیں وہ قرآن کے الفاظ سے بھی زائد ہے اور مفسرین و فقہاء میں سے بھی کسی نے تحریم ربوا کے اس قرآنی حکم کو حاجت مندی سے مقید نہیں کیا ہے ۔

اس سلسلے میں بہتر ہو کہ آپ میری تفسیر "تفہیم القرآن" جلد اول صفحہ ۲۱۰ سے ۲۱۸ تک ملاحظہ فرمالیں ۔